© rasailojaraid.com

التفسیر: مجلس تفسیر، کراچی جلد: ۱۰، شمارہ: ۲۸، جولائی۔دسمبر ۲۰۱۶ء

برصغیر میں اسلامی فکر کے احیا میں ''مسدس حالی'' کا کردار

ڈاکٹر حافظ محمد ثانی

اسسٹنٹ پروفیسر، کلیہ مطالعات مذاہب، شعبہ علوم اسلامی

وفاقی اردو یونیورسٹی عبدالحق کیمپس، کراچی

Abstract

Haali occupies a special position in the history of Urdu literature. He was a poet, a critic, a teacher, a reformer and an impressive prose-writer. He was a close friend of Sir Syed Ahmad Khan. His work "Mad-o-Jazr Islam" which is commonly known as "Mussadas-e-Haali" was the most famous book of 20th century in Muslims of India during the British reign. It is said that this book was read everyday in every Muslim`s house of the country. For it contained the mistakes and the reasons due to Which Muslim Empire in India had a downfall. This book was used for upraising the morale of Muslims.

It really has a great contribution in history of Muslims of India who later made a political party, and ultimately became an independent state which is today called Pakistan. In the present article, writer has focussed on the role of Mussadas-e-Haali in the evolution of Islamic Thought in the sub-continent.

Key Words: Mussadas-e-Haali, Muslims of India , Downfall, Sub-Continent, Morale

''مسدس مدوجزر اسلام'' کے مصنف، اردو زبان و ادب کے ارکان خمسہ میں منفرد مقام کے حامل، مقصدیت کے خصائص کے علم بردار، نقّاد، شاعر، سوانح نگار، نثر نگار کی حیثیت سے بھی منفرد مقام رکھنے والے الطاف حسین حالی ۱۸۳۷ء میں ہندوستان کے مردم خیز خطے پانی پت میں پیدا ہوئے اور ہنگامہ خیزی اور اسلامیانِ ہند کے زوال وانحطاط کے کئی ادوار کا کرب اور دکھ لیے پانی پت ہی میں ۱۹۱۴ء میں وفات پا گئے ۔(۱)

الطاف حسین حالی ان صالح بزرگوں میں سے تھے، جنھوں نے شعروادب کے ذریعے انسانیت کی اخلاقی طہارت کا کام سرانجام دیا، ان کی تنقید، شاعری، مکاتیب اور سوانح نگاری ہر چیز سے ایک شریف، سادہ لوح، مخلص اور ہمدرد دل کا اظہار ہوتا ہے۔اس کی زندگی شورشوں اور ہنگاموں سے یکسر بیگانہ تھی۔ایک بے کیف سا سلسلۂ حیات تھا جس میں نہ کسی قسم کی رنگینی تھی اور نہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شوریدہ سری، تنگدستی اور فکرِ معاش ہمیشہ شانہ دبائے رہے لیکن قناعت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا۔ ادبی شخصیتوں میں فروتنی اور بلندی اخلاق کی ایسی مثال کہیں کہیں ملتی ہے۔(۲)

حالی نے جس دور میں آنکھیں کھولیں وہ ہماری تاریخ کا ایک بہت ہی اہم زمانہ تھا۔ اس زمانے کو ہم انتہائی تذبذب اور نا استواری کی حالت میں پاتے ہیں ایک طرف تاجِ برطانیہ اور کمپنی بہادر کا آفتابِ اقبال نصف النہار کی منزل کی جانب تیزی سے گامزن تھا اور دوسری طرف سلطنتِ مغلیہ کا آخری چراغ بھڑک کر خاموش ہونے کی تیاری کر رہا تھا۔ ایک کے عروج یعنی برطانوی راج کے عروج اور اسلامیانِ ہند کے زوال کا یہ افسوس ناک منظر مسلمانانِ برِصغیر کے لیے انتہائی دُکھ اور کرب کا حامل تھا۔ اس وقت مسلمان دینی، سیاسی، سماجی، تہذیبی اور ملّی زوال و انحطاط کا شکار تھے۔

بقول ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار'' حالی ایک ایسے دورِ خزاں کے عندلیب حزیں تھے کہ جس کے ایک طرف بہارِ گل کا جلوۂ واپسیں دلوں کو گزرے ہوئے سہانے زمانے کی یاد سے سرشار کر رہا تھا اور دوسری طرف بادِ صرصر کے وہ جھکڑ چل رہے تھے جن میں داستانِ گل کے بوسیدہ اوراق برگِ خزاں دیدہ کی طرف بکھر بکھر کر دلوں کو یاس والم سے تڑپا رہے تھے۔ حالی کے نواہائے جگر سوز میں اسی دورِ خزاں کی روحِ عصر کارفرما ہے۔ اس دورِ خزاں میں وہ نہ صرف قومی زوال کے مرثیہ خواں کی حیثیت سے شہرت عام حاصل کرتے ہیں بلکہ ملی نشاۃِ ثانیہ کے نقیب بن کر قوم کے دل میں احساسِ زیاں پیدا کرتے اور تحریک احیاء کی کامیابی کے لیے ایک بہت موثر ذریعہ بن جاتے ہیں۔''(۳)

تاریخِ ادب اردو کے مصنف رام بابو سکسینہ حالی کی سیرت و کردار پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''مولانا حالی پرانے زمانے کے یادگار لوگوں میں سے تھے۔ وہ نہایت خلیق، ملنسار، حلیم الطبع اور سچے فدائی قوم تھے۔ دنیوی جاہ و ثروت کا خیال ان کے دل میں مطلق نہ تھا۔ ان کی زندگی ایک سچے انشاء پرداز کی زندگی تھی جس نے اپنے تعلیمی و تصنیفی مشاغل کے آگے دنیوی مرتبہ وعزت کو ہمیشہ ہیچ سمجھا۔ قومی ہمدردی ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ فرقہ وارانہ اختلافات سے وہ بالکل علیحدہ تھے، ان کا مطمح نظر بہت بلند تھا اور وہ ''لم تقولون مالا تفعلون'' کے پورے عامل تھے۔''(۴)

پانی پت کے محلّہ ''انصار'' میں خواجہ ایزد بخش انصاری کے ہاں پیدا ہونے والے الطاف حسین مستقبل میں ایک نامور شاعر اور ادیب کے طور پر اردو زبان و ادب کی اقلیم میں جلوہ گر ہوئے۔ اوائل عمر ہی میں انہیں حسبِ دستور دینی تعلیم کے حصول پر لگا دیا گیا۔ انہوں نے چند ہی برسوں میں اپنے حافظے اور لگن کی بنیاد پر قرآن حکیم حفظ کر لیا۔ میزبان رسولؐ، حضرت ابوایوب انصاریؓ کے شجرۂ نسب کے رکن الطاف حسین حالی کو اوائل عمر ہی سے دین سے رغبت اور لگاؤ پیدا ہو گیا تھا۔ بچپن میں وہ بڑی خوش الحانی کے ساتھ تلاوت کلام پاک کیا کرتے تھے۔ اسی اثناء میں انہیں باقاعدہ اس زمانے میں مروج تعلیم کی جانب بھی مائل کیا گیا اور اس کی نزاکتیں اور وسعتیں پہلے ہی حفظِ قرآن حکیم کے حوالے سے ان کے قلب و شعور میں موجزن تھیں۔ اس بنا پر انہوں نے اپنے شوق سے عربی کی باقاعدہ تعلیم عربی زبان و ادب کے ایک عالم حاجی ابراہیم حسین سے حاصل کی۔(۵)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سترہ برس کی عمر میں والدین نے الطاف حسین حالی کی شادی کردی۔ شادی کے بعد بھی حالی کا حصولِ علم کا شوق برقرار رہا۔ بلکہ بدستور یہ ذوق وشوق فزوں تر ہوتا گیا۔ اس کے بعد حالی نے پانی پت سے دلی جانے کا ارادہ کیا۔ دلی ان دنوں سیاسی، سماجی اور علمی وادبی سرگرمیوں کی آماجگاہ تھا۔ یہاں حالی کے قلب و ذہن میں حصولِ علم کی ایک نئی امنگ اور ولولہ پیدا ہوا۔ اسی دوران حالی نے عربی زبان کی ایک چھوٹی سی کتاب لکھی۔ جسے ان کی پہلی تصنیف شمار کیا جاتا ہے۔ اساتذہ کی محبت اور حالی کی اپنی لگن نے عنفوانِ شباب ہی میں انہیں کندن بنا دیا تھا۔ اس دوران حالی نے دلی کے ماحول سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شاعری بھی شروع کردی، انہیں نے جس وقت اقلیمِ سخن میں قدم رکھا۔ اس وقت پاک و ہند کی شاعری ایک خاص رنگ اختیار کرگئی تھی۔ حالی بھی اگر اسی رواں شاعری کے دھارے میں بہہ جاتے تو وہ بھی اپنی شناخت اور پہچان کھودیتے لیکن خوش قسمتی سے انھیں پیغمبرِ شعر وسخن مرزا غالب کی صحبتیں میسر تھیں۔ پھر ان سب سے بڑھ کر حالی کے سامنے برِصغیر کے مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ اور عہدِ حاضر میں ان کی کسمپرسی کا پورا نقشہ تھا۔ اس لیے ابتدائی معمولی تقلید کے بعد حالی نے اپنی الگ راہ متعین کرلی تھی۔ (۶)

چناں چہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حالی نے ۱۸۵۷ء سے پہلے تو روایتی غزل کہی، اس کے بعد اسے قومی مرثیہ خوانی اور تذکرۂ دہلی کے لیے وقف کردیا'' (۷)

ملتِ اسلامیہ پر مولانا حالی کا مسلمہ عظیم احسان اور مسلمانوں کے فکری انقلاب کا قوی ترین محرک ان کی قومی وملّی شاعری تھی۔ اس کا آغاز ۱۸۷۹ء میں ''مسدس حالی'' سے ہوا۔ اس شان کی نظم صدیوں سے اسلامی دنیا نے دیکھی نہ سنی تھی۔ (۸)

اس سے قبل اصلاح ملک وملت کے لیے شعر سے کام لینے کا خیال شاید کسی کے ذہن میں نہ آیا تھا۔ زبان شعر میں ایسی پُردرد صدا لگانا اور اس بے قراری سے فریاد بلند کرنا کہ ساری قوم کے دل دہل جائیں، خدا کی دین تھی، جو ''مسدس مدوجزر اسلام'' اور اس کے خالق خواجہ الطاف حسین حالی کے حصے میں آئی۔ (۹)

حالی کی ''مسدس'' نے برصغیر میں اسلامی فکر کے احیاء اور مسلم نشاۃ ثانیہ میں وہ کام کیا جو ہزاروں وعظ وپند کی تقریروں اور تدبیروں سے نہ ہوا تھا چناں چہ اس کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کے متعدد ایڈیشن تاحال شائع ہوچکے ہیں، آج تک یہ اردو شاعری کا مقبول ترین تحفہ ہے''۔ (۱۰)

حالی کی ''مسدس'' کی مقبولیت فوری تھی۔ یہ قوم کے کسی خاص طبقے تک محدود نہ تھی اس کا پہلا ایڈیشن ۱۸۷۹ء میں چھپا اور اس کے سات سال بعد حالی لکھتے ہیں:

> ''اگرچہ اس نظم کی اشاعت سے شاید کوئی معتدبہ فائدہ سوسائٹی کو نہیں پہنچا (آہ رے حالی!) مگر چھ برس میں جس قدر مقبولیت یا شہرت اس نظم کو اطراف ہندوستان میں ہوئی، وہ فی الواقع تعجب انگیز ہے۔ اس تھوڑی سی مدت میں یہ نظم ملک کے اطراف وجوانب میں پھیل گئی، ہندوستان کے مختلف اضلاع میں اس کے سات ایڈیشن اب سے پہلے چھپ چکے ہیں۔ بعض قومی مدرسوں میں جابجا اس کے بند پڑھے جاتے ہیں۔ اکثر لوگ اسے پڑھ کر بے اختیار روتے اور آنسو بہاتے ہیں۔ اس کے بند ہمارے واعظوں کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زبان پر جاری ہیں۔ بہت سے ''مسدس'' اس کی روشنی پر اسی بحر میں ترتیب دیے گئے''۔(۱۱)

حالی نے عصری حالات اور وقت کے ناگزیر تقاضوں کو بخوبی محسوس کر لیا تھا۔ ویسے بھی وہ اپنی تعلیم و تربیت کے اعتبار سے سنجیدہ اور حالات و معاملات پر غور و فکر کرنے میں مخلص تھے۔ انہوں نے وقت کی ضرورت و اہمیت کو محسوس کر لیا تھا۔ انہیں یہ معلوم تھا کہ مسلمانانِ برصغیر بالخصوص اپنی نشاۃ ثانیہ کے دور سے گزر رہے ہیں۔ لہٰذا الطاف حسین حالی نے اپنے عہد کی روایتی اور ریت کی شاعری کے بجائے مقصدی شاعری پر توجہ دی۔ وہ بار بار مسلمانوں کو ان کے شان دار ماضی کے حالات و واقعات سنا سنا کر ان کی موجودہ صورت حال سے آگاہ کرتے رہے اور یہ پیغام بھی دیتے رہے کہ اب مسلمانوں کی کسمپرسی اور بربادی کے تذکرے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب اصلاحِ احوال کا وقت ہے اور بیداری کی لہر دوڑانے کی ضرورت ہے۔ دوسرے لفظوں میں حالات کے پیشِ نظر الطاف حسین حالی نے ادب برائے ادب کے بجائے ادب برائے زیست کی راہ اختیار کی اور وہ بڑی استقامت کے ساتھ اپنی منتخب کردہ راہ پر گامزن رہے۔(۱۲) چناں چہ یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ حالی نے قوم کی معاشرتی زبوں حالی کی اصلاح بھی ادب ہی کے ذریعے کی۔

مولانا حالی کی اردو شاعری:

تاریخ ادب اردو کے مصنف اور اردو زبان و ادب کے معروف ادیب رام بابو سکسینہ ''مسدس حالی'' کی مقبولیت اور عظمت و شہرت پر تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> ''یہ ایک نیا تارہ ہے جو اردو کے افق شاعری پر طلوع ہوا۔ اس سے ہندوستان میں قومی اور وطنی نظموں کی بنیاد پڑی اور اس نے یہ ثابت کر دیا کہ ایسی پُر اثر اور پُر درد نظموں کے واسطے ''مسدس'' نہایت موزوں ہے۔ اس کے بہت سے نقال پیدا ہوئے مگر کوئی شخص اب تک بلحاظ جوش اور زورِ تخیل اور طرزِ ادا کے مولانا تک نہیں پہنچا۔ اس میں اسلام کی گزشتہ عظمت، مسلمانانِ سابق کے کارنامے، ان کے بلند خیالات، اولوالعزمیاں اور برخلاف اس کے زمانۂ موجود میں ان کی پستی و زوال کا ذکر ہے۔ آخر میں مسلمانوں سے اپیل کی گئی ہے کہ تاریخِ عالم میں جو اُن کا مرتبہ پہلے تھا اب پھر اس کو حاصل کرنے کے لیے کمر ہمت باندھیں۔ یہ کتاب بوڑھے، جوان، بچے سب کی دل پسند ہے۔ اس نے کاروانِ مسلم کے لیے بانگ جرس کا کام کیا کہ وہ اٹھیں اور آمادۂ کار ہوں۔ طبع ہوتے ہی اس کی عظیم الشان اشاعت ہوئی۔ زمانۂ حال کی کوئی اردو کی کتاب مقبولیت میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ہندوستان کا ہر پڑھا لکھا مسلمان اس سے آشنا ہے اور کچھ عرصہ ہوا کہ بہت سے لوگوں کو تو یہ حفظ تھی۔ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ تمام قومی اچھائیوں اور برائیوں کا ایک ساتھ جائزہ لیتی ہے۔ یعنی اچھائیاں زمانۂ گزشتہ کی اور برائیاں زمانۂ موجودہ کی۔ اس میں شاعر زمانۂ جاہلیت کی حالت، جزیرہ نمائے عرب کی تمام متمدن دنیا سے انقطاعی صورت، عرب اقوام کا آپس میں ذرا ذرا سی بات پر لڑنا جھگڑنا، ان کا تعصب اور ناروا داری، ان کا طغیان و بُت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پرستی وغیرہ وغیرہ نہایت صحیح واقعہ نگاری کے طریق پر دکھاتا ہے۔اسی حالت میں پیغمبرِ اسلام ﷺ کا ظہور ہوتا ہے۔آپ ﷺ کی تبلیغ کے ابتدائی ثمرات، اعلائے کلمۂ حق، توسیع علوم، استیصال ظلم وتعصب، اصلاح اخلاق اور ان تمام خوبیوں کی نشر واشاعت جن کے مفقود ہونے سے آج کل اہلِ اسلام مورد عتاب ہورہے ہیں اور جن کی کیفیت آخر کتاب میں نہایت وضاحت اور اثر سے لکھی ہے۔اس میں اسلام کی وہ تمام بیش بہا خدمتیں بیان کی گئی ہیں جو اس نے اپنے علوم وفنون کے ذریعے اخلاقی اور علمی دنیا میں کی ہیں۔'' (۱۳)

''مسدس حالی'' کے علاوہ مولانا حالی کی دیگر منظوم تصانیف حسب ذیل ہیں:

......مثنویاں: مناظرۂ تعصب وانصاف، رحم وانصاف، برکھارت، نشاط امید، حب وطن

......شکوۂ ہند

......کلیاتِ حالی، جس میں ان کا دیوان مع ''مقدمۂ شعر وشاعری'' شائع ہوا ہے۔

......مناجات بیوہ، اور چپ کی داد

......مراثی غالب وحکیم محمود خاں وتباہی دہلی وغیرہ

......مجموعۂ نظم حالی، جس میں اردو کی متفرق نظمیں ہیں۔

......مجموعۂ نظم فارسی، جس میں فارسی کا کلام ہے۔ (۱۴)

''مسدس حالی'' مشاہیر کی نظر میں:

تاریخ ادب اردو کے مصنف رام بابو سکسینہ مسدس حالی کے متعلق لکھتے ہیں:

''مولانا الطاف حسین حالی کی یہ سب سے زیادہ مقبول اور سب سے زیادہ مشہور تصنیف ہے، اس کی مقبولیت اب بھی وہی ہے جیسی کہ پہلے تھی۔۔۔۔اسے تاریخ ارتقائے ادب میں ایک سنگِ نشان سمجھنا چاہیے۔'' (۱۵)

اردو زبان وادب کے معروف محقق، نقاد اور ادیب، بابائے اردو مولوی عبدالحق ''مسدس حالی'' کی عظمت واہمیت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''ایسی پُر جوش، ایسی عبرت انگیز اور سبق آموز اور دلوں کو ابھارنے اور عزت دلانے والی نظم ہماری کسی زبان میں نہیں، ''مدوجزر اسلام'' اس کا بہت ہی صحیح نام ہے۔شعر کی نسبت جو یہ کہا گیا ہے کہ اسے حقیقت یعنی زندگی اور واقعات زندگی سے وابستہ ہونا چاہیے۔وہ اس پر پوری طرح صادق آتا ہے، یہ ''مسدس'' ہماری قومی زندگی کا کامل مرقع ہے جس میں ہمارے خط وخال صاف نظر آتے ہیں پھر حسن بیان نے اسے معراجِ کمال تک پہنچا دیا ہے''۔ (۱۶)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

موصوف مزید لکھتے ہیں:

''مسدس حالی'' زندۂ جاوید کتابوں میں سے ہے اس کی درد بھری آواز ہمیشہ دلوں کو تڑپاتی رہے گی اور اس کے دردمندانہ اقوال دلوں میں گھر کیے بغیر نہ رہیں گے، ادب کے رسیا اس سے ادبیت کے گر سیکھیں گے اور اخلاق کے بندے اس میں وہ بے بہا جواہر پائیں گے جن سے دوسری کانیں خالی ہیں۔'' (۱۷)

علامہ سیّد سلیمان ندویؒ مسدس کی حیاتِ جاوید کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

''مسلمانوں کو سوتے سے جگانے اور ان کے ہر طبقے کو ان کے عیب اور کم زوریوں کے سمجھانے میں ہمارے ہر رہنما نے اپنی اپنی توفیق کے مطابق بہت کچھ کام کیا۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ مولانا حالی کی اس بروقت صدا نے اس میں سب سے بڑا کام کیا ہے۔ ان کے نہ صرف اس مسدس کے ہر بند بلکہ نظم کے ہر مصرعے میں آج بھی وہ اثر ہے کہ سن کر دل بے تاب اور اپنے اسلاف کے کارناموں کی تقلید کا جوش پیدا ہو جاتا ہے۔ مسدس کی تالیف پر نصف صدی سے زیادہ گزر چکی ہے۔ مگر اس کے اثر کی تازگی کا اب بھی وہی عالم ہے۔ امید ہے کہ صدیوں پر صدیاں گزرتی چلی جائیں گی لیکن ان اوراق پر سچائی اور اخلاصِ ملت کی تاثیر سے کہنگی نہ آئے گی یہ خود حیاتِ جاوید پائے گی اور اپنے مصنف کو حیاتِ جاوید بخشے گی۔ اور جیسے اس دنیائے فانی میں وہ اس کی شہرت کا سبب بنی، اس دنیائے باقی میں اس کی مغفرت کا سامان بنی ہوگی۔'' (۱۸)

پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان مرحوم کیا خوب لکھتے ہیں:

''مسدس'' جیسے عظیم الشان کارنامے کے متعلق جتنا لکھا جائے، کم ہے اور حقیقت یہ ہے کہ انیسویں صدی عیسوی میں مشرق میں اس پائے کی کوئی نظم نہیں لکھی گئی۔ اس میں حسن و عشق کے معرکے یا تشبیہات و استعارات کی بوقلمونی وغیرہ کچھ نہیں ہے۔ ''از دل خیزد و بردل ریزد'' ہی اس کی سب سے بڑی خوبی ہے۔ اس لیے فصاحت و بلاغت کے ظاہری خدوخال نہ ہونے کے باوجود بہت فصیح اور نہایت بلیغ ہے اور حالی کو حیاتِ جاوید بخشنے کے لیے کافی ہے۔'' (۱۹)

''مسدس حالی'' کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ:

''یہ اسلامیان ہند کے عروج و زوال کی تصویر بھی ہے اور اس میں ایک بشارت ازلی بھی ہے، اردو شاعری میں اسلامی فکر کے احیاء، مسلم نشاۃِ ثانیہ، معاشرتی اصلاح اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کے قیام کے حوالے سے ایسی بھرپور نظم حالی سے پہلے نہیں لکھی گئی۔ اس میں فنی اور افادی پہلوؤں کا ایک ایسا حسین امتزاج ہے جو شاعری کی معراج ہے۔ مسدس نے حالی کو شہرت دوام دی، برِصغیر میں اسلامی فکر کے احیاء اور مسلم نشاۃِ ثانیہ میں اس تاریخ ساز نظم نے بے مثال اور کلیدی کردار ادا کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ''مسدس حالی'' کو قبولیت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تام بھی نصیب ہوئی اور شہرت دوام بھی ملی''۔

۱۸۷۹ء میں ''مسدس حالی'' شائع ہوئی، اس وقت سے موجودہ دور تک اس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور شاید اردو کی دنیا میں لکھا جائے گا۔ حالی کے ذہنی وفکری شاہ کار اور ان کی ملی شاعری کی اساس ''مسدس حالی'' کا محرک سر سید احمد خان کو قرار دیا جاتا ہے۔ اس لیے ان کا وہ یادگار خط یہاں نقل کرنا بہتر ہوگا جس میں ''مسدس'' پر مختصر لیکن جامع تبصرہ ہے۔ چناں چہ موصوف لکھتے ہیں:

> ''اگر اس ''مسدس'' کی بدولت فن شاعری کی تاریخ جدید قرار دی جائے تو بالکل بجا ہے۔ کس صفائی، خوبی اور روانی سے یہ نظم تحریر ہوئی ہے، بیان سے باہر ہے۔ تعجب ہوتا ہے کہ ایسا واقعی مضمون جو مبالغہ، جھوٹ، تشبیہات دور از کار سے جو مایۂ ناز شعراء و شاعری ہے، بالکل مبرا ہے، کیوں کہ یہ ایسی خوبی وخوش بیانی اور موثر طریقے پر ادا ہوا ہے۔ متعدد بند اس میں ایسے ہیں جو بے چشم نم پڑھے نہیں جا سکتے۔ حق ہے، جو دل سے نکلتی ہے، دل میں بیٹھتی ہے۔'' (۲۰)

''مسدسِ حالی کا تاریخی وتہذیبی پسِ منظر

الطاف حسین حالی نے برصغیر کی ملتِ اسلامیہ کے زوال وانحطاط کو ''مسدس'' کی تشکیل وتدوین اور اس طویل تاریخی نظم کا موضوع بنایا ہے، چناں چہ برطانوی دور حکومت میں مسلمانوں کے دینی، علمی، تہذیبی، تمدنی، اخلاقی اور معاشرتی زوال وانحطاط کو ''مسدس'' کے اسباب ومقاصد میں اہم اور کلیدی اہمیت کا حامل قرار دیا ہے۔ (۲۱)

برِّصغیر پاک وہند کی ملتِ اسلامیہ پر مولانا حالی کا مسلمانوں کے فکری انقلاب کا محرک، ان کی قومی شاعری تھی۔ اس کا آغاز ہی ''مسدس حالی'' سے ہوا۔ (۲۲) ''مسدس مدوجزر اسلام کے دیباچے میں حالی نے ''مسدس'' لکھنے کے مقاصد پر یوں روشنی ڈالی ہے:

(ا) ''ایسی نظم جو کہ بالطبع سب کو مرغوب ہے......قوم کو بیدار کرنے کے لیے اب تک کسی نے نہیں لکھی۔''

(ب) ''قوم کے لیے اپنے بے ہنر ہاتھوں سے ایک آئینہ خانہ بنایا ہے، جس میں آکر وہ اپنے خط وخال دیکھ سکتے ہیں کہ ہم کون تھے اور کیا ہو گئے۔''

(ج) ''جو آج کل قوم کی حالت ہے، اس کا صحیح صحیح نقشہ کھینچا گیا ہے۔''

(د) ''نظم کی ترتیب مزے لینے اور واہ واہ سننے کے لیے نہیں کی گئی، بلکہ عزیزوں اور دوستوں کو غیرت اور شرم دلانے کے لیے کہی گئی ہے۔''

ان اقتباسات کو غور سے پڑھیں تو مسدس کی تحریر کے تین مقاصد سامنے آتے ہیں:

(i) ''قوم کو بیدار کرنے کے لیے''۔

(ii) ''آئینہ خانہ بنایا ہے......قوم کا صحیح صحیح نقشہ کھینچا گیا ہے۔''

(iii) ''غیرت اور شرم دلانے کے لیے۔'' (۲۳)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہ الفاظ دیگر حالی نے قوم کو آئینہ دکھانے کی سعی کی۔ حالی نے کسی اضطراری جذبہ کے تحت فوراً ہی ''مسدس'' کی داغ بیل نہ ڈال دی تھی بلکہ اس کی تحریر کے پیچھے ان کی سوچ، تصوراتِ حیات اور قوم کے لیے ایک لائحہ عمل تجویز کرنے کی سعی اور اس سے وابستہ احساسات وغیرہ کی صورت میں ان کی تمام عمر کے ذہنی رویے کارفرما تھے۔ ۱۸۵۷ء سے قبل شرفاء، امراء اور زعماء کی بگڑی حالت اور مسخ شدہ سیرتیں اور ۱۸۵۷ء کے بعد ان کی تباہی و بربادی، ہر دو نے حالی پر گہرے اثرات چھوڑے تھے۔ وہ تاریخ کی اتنی بڑی سزا پر رو تو سکتے تھے لیکن اس سے وابستہ حقائق کو جھٹلانے کی سکت ان میں نہ تھی۔ ہند میں مسلمانوں کا زوال ایک مقامی وقوعہ تھا لیکن حالی نے تاریخ کے اس حادثے کی تصویر کشی اور اس کے مضمرات کی نشان دہی کے لیے محض مقامی رنگوں ہی پر انحصار نہ کیا بلکہ آنحضرت ﷺ کی نبوت سے قبل دورِ جاہلیت کے عرب سے آغاز کر کے مسلمانوں کی سیاسی، معاشرتی، علمی، فکری، فنی اور ادبی تاریخ کے تمام درخشندہ ابواب کا احاطہ کرتے ہوئے بحیثیت ایک ملت مسلمانوں کے زوال اور انتشار کی کہانی سنائی۔ یہ نکتہ بہت اہم ہے کہ حالی نے محض جزو پرز ور نہ دیا بلکہ کل کو لیتے ہوئے ایک وسیع تناظر کی صورت میں قوم کے لیے ایک بہت بڑا آئینہ خانہ مہیا کر دیا۔ اتنا بڑا کہ اس کی وسعت کے آگے تمام قوم سکڑ جاتی ہے۔ (۲۴)

اس ضمن میں ایک اور نکتہ بھی قابلِ غور ہے اور وہ یہ ہے کہ حالی نے مسدس کا آغاز اس وقت سے کیا ہے جب نبوت سے پہلے عرب پر جاہلیت کے تاریک بادل چھائے ہوئے تھے اور مسدس کا اختتام ہندوستان کے اس عہد پر کیا ہے جس میں شکست اور ذلت کی شب تاریک مسلمانوں کا مقدر بن چکی تھی۔ یوں حالی کی مسدس گویا ایک دائرے کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ مسلمانوں نے اپنی تاریخ کا آغاز تاریکی سے کیا اور توحید، ایمان اور اسلام نے انہیں روحانی، قلبی اور ذہنی جلا بخشی تھی۔ جب مسلمانوں نے اسلام کے زریں اصولوں کی پیروی ترک کر دی تو دوبارہ ذلت وادبار کی تاریکی میں جا پھنسے اور یوں ''مسدس'' کا اختتام حالی کی وضاحت کے بغیر ہی ایک بلیغ استعارے کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔ (۲۵)

قوم کے متعلق بالکل یہی نظریہ وہ اپنے مضمون ''کیا مسلمان ترقی کر سکتے ہیں؟'' (تہذیب الاخلاق ۱۲۹۷ھ مطابق ۱۸۸۰ء) میں بیان کرتے ہیں:

> ''جو قوم ترقی کے بعد تنزلی کے درجے پر پہنچ جاتی ہے وہ ایک ایسی ابتر حالت میں ہوتی ہے کہ اس کے دوبارہ ترقی کرنے سے اکثر لوگ مایوس ہو جاتے ہیں یا یوں کہ اس کی قابلیت کا جوہر نظروں سے چھپ جاتا ہے یہاں تک کہ اگر وہ ترقی کا ارادہ کرتی ہے تو اس کی سعی ایک حرکت مذبوحی سمجھی جاتی ہے اور اگر وہ سنبھلنا چاہتی ہے تو اس پر سنبھالے کا گمان کیا جاتا ہے۔ یہی حال آج کل ہماری قوم کا ہے۔'' (۲۶)

''مسلمانانِ ہندوستان'' کے عنوان کے تحت حالی اپنی ''مسدس'' میں اس حقیقت کی ترجمانی کرتے ہوئے کہتے ہیں:

تنزل نے کی ہے بری گت ہماری　　　بہت دور پہنچی ہے نکبت ہماری
گئی گزری دنیا سے عزت ہماری　　　نہیں کچھ ابھرنے کی صورت ہماری (۲۷)

مولانا الطاف حسین حالی قنوطیت اور یاس کے ان حالات کے باوجود امید اور آس کا دیا روشن کیے یہ تعلیم دیتے نظر آتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ سچ ہے کہ حالت ہماری زبوں ہے عزیزوں کی غفلت وہی جوں کی توں ہے
جہالت وہی قوم کی رہنموں ہے تعصب کی گردن پہ ملت کا خوں ہے
مگر اے امید! اک سہارا ہے تیرا کہ جلوہ یہ دنیا میں سارا ہے تیرا
نہیں قوم میں گرچہ کچھ جان باقی نہ اس میں وہ اسلام کی شان باقی
نہ وہ جاہ و حشمت کے سامان باقی پر اس حال میں بھی ہے اک آن باقی
بگڑنے کا گو ان کے وقت آ گیا ہے مگر اس بگڑنے میں بھی اک ادا ہے
بہت ہیں ابھی جن میں غیرت ہے باقی دلیری نہیں پر حمیت ہے باقی
فقیری میں بھی بوئے ثروت ہے باقی تہی دست ہیں پر مروت ہے باقی (۲۸)

حالی اسلامیانِ ہند کو خوابِ غفلت سے جگاتے اور رغبتِ علوم وفنون کا دیا جلاتے ہوئے کیا خوب کہتے ہیں:

بڑا ظلم اپنے پہ تم نے کیا ہے کہ عزت کی یاں جس ستوں پر بنا ہے
ترقی کی منزل کا جو رہنما ہے تنزل کی کشتی کا جو ناخدا ہے
قوی پشت تھیں جس سے پشتیں تمھاری ہوئی دست بردار قوم اس سے ساری
ہنر ہے نہ تم میں فضیلت ہے باقی نہ علم و ادب ہے نہ حکمت ہے باقی
نہ منطق ہے باقی نہ ہیئت ہے باقی اگر ہے تو کچھ قابلیت ہے باقی
اندھیرا نہ چھا جائے اس گھر میں دیکھو پھر اکسا دو اس ٹمٹماتے دیے کو
بہت ہم میں اور تم میں جوہر ہیں مخفی خبر کچھ نہ ہم کو نہ تم کو ہے جن کی
اگر جیتے جی کچھ نہ ان کی خبر لی تو ہم ہوجائیں گے مل کے مٹی میں مٹی (۲۹)

جس دور کے تقاضوں اور جن حالات کے پس منظر میں خواجہ الطاف حسین حالی نے ''مسدس مدوجزر اسلام'' جیسی طویل اور شاہ کار نظم تحریر کی اس دور کے متعلق تبصرہ کرتے ہوئے حالی لکھتے ہیں:

''قوم کی حالت تباہ ہے، عزیز ذلیل ہو گئے ہیں، شریف خاک میں مل گئے ہیں۔ علم کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ دین کا صرف نام باقی ہے۔ افلاس کی گھر گھر پکار ہے۔ پیٹ کی چاروں طرف دہائی ہے۔ اخلاق بالکل بگڑ گئے ہیں اور بگڑتے جاتے ہیں۔ تعصب کی گھنگھور گھٹا تمام قوم پر چھائی ہوئی ہے۔'' (۳۰)

حالی اس دور میں اسلامیانِ ہند کے انحطاط اور پسماندگی کے متعلق مزید لکھتے ہیں: ''رسم و رواج کی بیڑی ایک ایک کے پاؤں میں پڑی ہے۔ جہالت اور تقلید سب کی گردن پر سوار ہے۔ امرا جو قوم کو بہت کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں، غافل اور بے پروا ہیں۔ علما جن کو قوم کی اصلاح میں بہت بڑا دخل ہے، زمانے کی ضرورتوں اور مصلحتوں سے ناواقف ہیں۔ ایسے میں جس سے جو کچھ بن آئے، سو بہتر ہے۔ ورنہ ہم سب ایک ہی ناؤ میں سوار ہیں اور ساری ناؤ کی سلامتی میں ہماری سلامتی ہے۔ ہر چند لوگ بہت کچھ لکھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چکے اور لکھ رہے ہیں، مگر نظم جو کہ بالطبع سب کو مرغوب ہے اور خاص کر عرب کا ترکہ اور مسلمانوں کا موروثی حصہ ہے، قوم کے بیدار کرنے کے لیے اب تک کسی نے نہیں لکھی۔ ایسی تنگ حالتوں میں انسان کے دل پر ہمیشہ دو طرح کے خیال گزرتے رہے ہیں۔ ایک یہ کہ ہم کچھ نہیں کر سکتے، دوسرے یہ کہ ہم کو کچھ کرنا چاہیے۔ پہلے خیال کا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ نہ ہوا اور دوسرے خیال سے دنیا میں بڑے بڑے عجائبات ظاہر ہوئے'':

در فیض است منشیں از کشایش نا امید ایں جا

بہ رنگ دانہ از ہر قفل می روید کلید ایں جا

''وھُو الّذی ینزّل الغیث من بعد ما قنطوا و ینشر رحمتہ''

ہر چند کہ اس حکم کی بجا آوری مشکل تھی اور اس خدمت کا بوجھ اٹھانا دشوار تھا، مگر ناصح کی جادو بھری تقریر جی میں گھر کر گئی۔ دل ہی سے نکلی تھی، دل میں جا کر ٹھہری، برسوں کی بجھی ہوئی طبیعت میں ایک ولولہ پیدا ہوا۔(۳۱)

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں کو دفعتہً اپنی حالت دگرگوں نظر آنے لگی، جو کل بادشاہ تھے، وہ آج فقیر ہو گئے، جو کل الوان نعمت کے مالک تھے، وہ نان شبینہ کے محتاج ہو گئے، جو کل محلوں اور ایوانوں میں رہتے تھے، وہ جھونپڑوں سے بھی محروم ہو گئے، کل جن کا سب کچھ تھا، آج ان کا کچھ نہ رہا۔ یہ واقعہ تھا مگر اس واقعے کے اسباب عام طور سے معلوم نہ تھے، قاعدہ ہے کہ جب کسی کے گھر میں کوئی موت ہو جاتی ہے، تو تعزیت کے لیے جو آتے ہیں ان کا سب سے پہلے یہ سوال ہوتا ہے کہ یہ حادثہ کیسے ہوا، کیا بیماری ہوئی، کیا صورت پیش آئی؟ میت کے عزیزوں اور تیمارداروں کو بھی تسکین اسی میں ہوتی ہے کہ مرنے والے کی بیماری، نزع اور موت کے ایک ایک واقعے کو پوری تفصیل کے ساتھ سنائیں۔ علامہ سید سلیمان ندوی کے الفاظ میں یہ مسدس اس قوم کے، جو ابھی ابھی مری تھی، اسی قسم کے واقعات کی تفصیل و تشریح تھی اور تعزیت کرنے والوں کے اس سوال کا کہ یہ حادثہ کیسے پیش آیا، ایک مبسوط جواب تھا۔(۳۲)

''مسدس'' میں شاعر نے اس عظیم الشان قوم کے حادثۂ موت کے اسباب اس تفصیل سے بیان کیے تھے، جن کو سن کر ان بے خبروں کو، جن کو دفعتہً ۱۸۵۷ء کے حادثۂ خونیں کے وقت ہی سب سے پہلے اس موت کا حال معلوم ہوا، اس حسرت ناک انجام پر سخت حیرت تھی۔ شاعر نے موت کے طبعی اسباب سنا کر ان کی حیرت کو دُور کیا اور بتایا کہ ان اسباب کے موجود ہوتے ہوئے موت نہیں زندگی تعجب انگیز تھی۔(۳۳)

بغداد کی تباہی پر سعدیؒ نے ماتم کیا اور ابن ابی الیسر نے خون کے آنسو روئے، اور اندلس مرحوم کی بربادی پر ابن بدرون نے اپنا دل دوز نوحہ سنایا لیکن افسوس کہ ہندوستان کے انقلاب پر چوبیس برس گزرنے کے بعد بھی کسی کو آنسو کے قطرے گرانے کی توفیق نہیں ملی۔ دل بھرے تھے، آنکھیں رونے کو اور ہاتھ سینہ کوبی کو تیار تھے۔ مسدس نے مرثیے کا کام کیا، اور لوگ اس کو پڑھ پڑھ کر دل کھول کر روئے، درد بھری داستان تھی جس کو جس نے سنا، بے تاب ہو گیا۔(۳۴)

حالی اور ان کی مسدس نے برِصغیر کے مسلمانوں میں وہ کام کیا جو ہزار وعظ و پند کی تقریروں، تدبیروں سے نہ ہوا تھا۔ چند

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہی سال میں یہ نظم بارہا شائع ہوئی اور آج تک اردو شاعری کا مقبول ترین تحفہ ہے۔ آئندہ سنین میں شعر کی یہی نودریافت اقلیم شاعری کی جولان گاہ رہی۔ حالی نے ایک سے ایک بڑھ کر نظمیں ایسی لکھیں کہ تعلیم یافتہ طبقے میں حالی کا کلمہ پڑھا جانے لگا۔ پرانی رسمی شاعری نظروں سے گر گئی۔

۱۸۵۷ء میں مسلمانوں کی جدوجہد آزادی کو دبانے کے لیے تاج برطانیہ نے جو مظالم روا رکھے اور جس طرح مسلمانوں کو جور وستم کا شکار بنائے رکھا، اس سے کوئی بھی صاحبِ ہوش وخرد وحلیم دل کا مالک صرف نظر نہیں کر سکتا تھا۔ حالی نے اس صورت حال میں چوں کہ ایک عہد گزارا تھا، اس لیے ان کا اظہار بلا مبالغہ تاثیر وتاثر کے اعتبار سے جاں گداز ہونا لازمی تھا۔ اس اظہار کی جھلک ان کی ایک غزل میں بہت نمایاں ہوئی، حالی نے کہا کہ:

تذکرہ دہلیٔ مرحوم کا اے یار نہ چھیڑ　　نہ سنا جائے گا ہم سے یہ فسانہ ہرگز

پھر حالی آئندہ کے آمدہ حالات اور مسلمانوں کی بیداری سے ناامید نہیں تھے، بلکہ انہیں یقین کامل تھا کہ یہ امتِ مرحومہ بہر صورت سنبھل کر اپنے پاؤں پر کھڑی ہو سکے گی اور پھر

آتا ہے وقت انصاف کا نزدیک ہے یوم الحساب　　دنیا کو دینا ہوگا ان حق تلفیوں کا حساب (۳۵)

حالی نے مسلمانانِ برِّصغیر اور قوم کی بیداری اور احساس کے لیے ہر طرح کے طریقے آزمائے، اپنی شاعری میں حکایات، داستانیں، واقعات، پند ونصائح اور اخلاقی باتوں کی بھی تبلیغ وتشریح کی اور پھر مسلمانوں کو ہاتھوں پر ہاتھ دھر کر بیٹھنے کے بجائے عمل پیہم کی تلقین کی۔ انہوں نے ایک پورے تناظر میں محنت اور کام کے بارے میں اشعار میں بیان کیا کہ:

یہ برکت ہے دنیا میں محنت کی ساری　　جہاں دیکھیے فیض اس کا ہے جاری
یہی ہے کلیدِ درِ فیض باری　　اسی پر ہے موقوف عزت تمہاری
اسی سے ہے قوموں کی یاں آبرو سب　　اسی پر ہیں مغرور میں اور تُو سب (۳۶)

حالی نے مسلمانان ہند ہی نہیں بلکہ اسلامیانِ عالم کے سامنے ایسے ایسے زندہ اور پُر تاثیر اشعار پیش کیے کہ لوگ ان پر توجہ کیے بغیر ایک قدم بھی نہیں چل سکتے تھے۔ انہوں نے انسانیت کو اس کے وقار کی بحالی کے حوالے سے زندہ رکھنے پر زور دیا کبھی شدید ناصحانہ انداز اختیار کیا اور کبھی ایک وعظ کا سا اسلوب اپنایا۔ انہوں نے زندگی کے چھوٹے چھوٹے واقعات کو مثال بنایا، احیائے اقتدار کی راہ نکالی۔ سادہ اور سیدھی زبان استعمال کر کے قارئین اور سامعین کو الفاظ واصوات اور معانی کی ثقالت میں الجھائے بغیر تفہیم مدعا اور سلاستِ بیان پر زیادہ توجہ دی۔ (۳۷)

حالی نے ایک مصلح بننے سے بھی گریز نہیں کیا۔ انہوں نے مثالیں دے دے کر اور انسانی زندگی کے قریب کے واقعات بیان کر کے اپنے ناصحانہ منصب کو برقرار رکھا۔ (۳۸)

حالی کا ناصحانہ انداز روکھا یا بے محل نہیں تھا۔ اس کا پورا ایک پس منظر ہوتا تھا بلکہ یہ نصیحت بھی منطقی انداز میں عمل پذیر ہوتی تھی۔ ان کی کوئی نصیحت بے جا نہیں تھی، اس لیے وہ اپنا اثر ضرور رکھتی تھی۔ وہ مسلمانوں میں موجود سماجی خامیوں اور بے جا مذہبی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فروعات سے سخت نالاں تھے، اس لیے انھوں نے بچوں، بڑوں اور عورتوں سب سے حسب ضرورت اور اہمیت کے مطابق خطاب کیا۔ وہ کبھی حمد اور نعت میں اور کبھی عام نظم میں اپنا یہ فریضہ ادا کرتے۔(۳۹)

''مسدس حالی''، مسلم تہذیب وثقافت کی عکاس

علامہ سید سلیمان ندویؒ ''مسدس حالی'' کے اسلوب، اس کی اثر انگیزی اور عظمت واہمیت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''مسدس'' میں قوم کی غیرتی رگ کو حرکت میں لانے کے لیے اسلام اور مسلمانوں کی قومی تاریخ کے پُرفخر کارناموں کو شاید سب سے پہلی دفعہ اس طرز واسلوب سے اس ملک میں بیان کیا گیا تھا، رونے کی تسکین کے ساتھ اس کتاب میں مسلمانوں کے فخر وغرور کا سامان بھی تھا۔ اس نشے نے بھی لوگوں کو اس مسدس کے پڑھنے کا چسکا لگایا۔ عرب کی حالت، رحمت عالم ﷺ کی بعثت، قرآن کی تاثیر، اسلام کا شکوہ، فتوحات کی وسعت، علوم وفنون کی ترقی، علما اور حکما کا کمال، تعمیر بلاد، سیر وسیاحت اور بغداد واندلس کے قابل فخر آثار، اس خوب صورتی اور خوبی کے ساتھ اس میں نظم کیے گئے تھے کہ مسلمانوں کو فقیری میں بادشاہی کا مزہ آ گیا۔ ان کے جھکے ہوئے سر غرور سے اونچے ہونے لگے اور گزشتہ دورِ عظمت کی کہانی اس پستی اور تنزلی میں ان کو تسکین وتسلی کا سرمایہ معلوم ہونے لگی۔ ''عرب، ہند، مصر، اندلس، شام و دیلم'' ہر جگہ کی کہانی مسدس کی زبانی مسلمانوں نے سنی اور اس سینما میں ان کو بغداد کا حریمِ خلافت، اندلس کا بیتِ حمراء، غرناطہ کی شان وشوکت، بلنسیہ کی عظمت، اشبیلیہ کے محراب ودر اور قرطبہ کے ٹوٹے پھوٹے کھنڈر، سنجار اور کوفہ کے میدان اور سمرقند، مراغہ اور قاسیون کے رصد خانے سب نظر آنے لگے، پڑھنے والے پر عجب کیفیت طاری ہوتی، وہ کبھی روتا اور کبھی ہنستا اور ان دونوں کیفیتوں سے ہر گھڑی دل نئی لذت پاتا۔''(۴۰)

علامہ سید سلیمان ندویؒ مزید لکھتے ہیں:

> ''غم اور فخر کے سرمائے کے ساتھ اس عجیب وغریب کتاب میں موجودہ حالات کا احساس پیدا کر کے آئندہ کی فکر کا سامان بھی تھا۔ مسلمانوں کے ہر طبقے کے عیوب اور کم زوریوں کا راز فاش کر کے اس کے سامنے حالت کے سدھارنے کا خاکہ بھی کھینچا گیا تھا۔ احساس کے نشتر سے زخم کے فاسد مادوں کے نکالنے کے بعد ان کی مرہم پٹی بھی کی گئی تھی اس لیے مسلمانوں میں اس کے ذریعے جس کو تنزل کا احساس ہوا، ترقی کی فکر بھی پیدا ہوئی۔''(۴۱)

غرض مسدس قوم کی تیرہ سو برس کی حالت وکیفیت کا ایک آئینہ تھا جس میں اس کے چہرے کا ایک ایک خط وخال نمایاں تھا۔ اس کی پیدائش، اس کا نمو، اس کی جوانی، اس کا بڑھاپا، اس کی بیماری، اس کے عوارض، اس کی کم زوری ہر چیز اس میں نظر آ رہی تھی اس لیے ہر مسلمان کو جس میں ذرا بھی حس تھی اس آئینے میں اپنا چہرہ دیکھنے کا شوق تھا۔(۴۲)

''مسدسِ حالی''، برِّ صغیر میں اسلامی فکر کے احیاء کی اساس:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ حقیقت ہے کہ ''مسدس'' کی تشکیل و تدوین کے بعد سے حالی کی شاعری ملی نغموں سے معمور ہو کر تحریک احیاء کی آئینہ دار بن جاتی ہے۔ حالی کا پہلا عہد آفرین کارنامہ ''مدوجزر اسلام'' المعروف بہ ''مسدس حالی'' ۱۸۷۹ء میں وجود میں آتا ہے، جس میں انہوں نے بقول خود ''قوم کے لیے اپنے ہاتھوں سے ایک آئینہ خانہ بنایا ہے، جس میں آ کر وہ اپنے خط و خال دیکھ سکتے ہیں کہ ہم کون تھے اور کیا ہو گئے۔'' (۴۳)

''مسدس حالی''، جس کے شروع میں یہ رباعی ہے:

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے — اسلام کا گر کر نہ ابھرنا دیکھے
مانے نہ کبھی کہ مد ہے ہر جزر کے بعد — دریا کا ہمارے جو اترنا دیکھے (۴۴)

''مسدس'' ۲۹۴ بندوں پر مشتمل ایک طویل نظم ہے۔ اس میں حالی نے اسلام کی داستان عروج و زوال کو نہایت دلسوزی و دردمندی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ظہورِ اسلام سے قبل صحرا نشینان عرب کس ابتر حالت میں زندگی گزار رہے تھے؟ ضلالت و گمراہی کی اس تاریکی میں فاران کی چوٹیوں سے کوکب اسلام کا طلوع ہونا، نبی کریم ﷺ کا معبوث ہونا اور حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد چند برس میں قیصر و کسریٰ جیسی بڑی طاقتوں کا زیروزبر ہونا، خاور سے باختر تک کے علاقوں کا اسلام کی ضیا بار کرنوں سے منور ہونا اور مسلمانوں کا دینی اور دنیوی اعتبار سے اتنی ترقی کرنا کہ جس کی نظیر عالمِ انسانی کی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے، حالی نے اسلامی عروج کے ان عدیم النظیر واقعات کو سادہ، سلیس اور دل نشین و خیال انگیز پیرائے میں بیان کیا ہے۔ نظم کے اس حصے میں مسلمانوں کی فتوحات، ان کے علمی اکتشافات اور فنی و تعمیری کارنامے، شہروں کی آبادی، عوام کی مرفع الحالی اور کامرانی کے ایسے ایسے مرقعے پیش کیے ہیں کہ قاری چشم تصور میں اس دور کی سیر کرتے ہوئے محو ہو جاتا ہے۔ ملتِ اسلامیہ کے عروج کے یہ مرقعے دلوں میں عظمت رفتہ کے دل پذیر نقوش اجاگر کر دیتے ہیں۔ (۴۵)

اس حوالے سے حالی کیا خوب کہتے ہیں:

ہویدا ہے غرناطہ سے شوکت اُن کی — عیاں ہے بلنسیہ سے قدرت اُن کی
بطلیموس کو یاد ہے عظمت اُن کی — ٹپکتی ہے قادس میں سرحسرت اُن کی
نصیب اُن کا اشبلیہ میں ہے سوتا — شب و روز ہے قرطبہ اُن کو روتا
کوئی قرطبے کے کھنڈر جا کے دیکھے — مساجد کے محراب و در جا کے دیکھے
حجازی امیروں کے گھر جا کے دیکھے — خلافت کو زیر و زبر جاکے دیکھے
جلال ان کا کھنڈروں میں ہے یوں چمکتا — کہ ہو خاک میں جیسے کندن دمکتا (۴۶)

عظمت رفتہ کے ان مرقعوں کو پیش کرنے کے بعد حالی دفعتہً زوال ملت کے دلخراش مناظر بیان کرنے لگتے ہیں جو پڑھنے سننے والوں کو تڑپا دیتے ہیں۔ عروج و زوال کی اس داستان کا تجزیہ کرتے ہوئے حالی یہ حقیقت واضح کرتے ہیں کہ مسلمانوں کا عروج دین اسلام کی متابعت کا نتیجہ تھا اور ان کے موجودہ زوال کا سبب انہی اصول و مسلمات سے روگردانی اور انحراف ہے، اس حقیقت کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترجمانی کرتے ہوئے حالی کہتے ہیں:

پہ گدلا ہوا جب کہ چشمہ صفا کا ۔۔۔ گیا چھوٹ سر رشتہ دین ہدیٰ کا
رہا سر پہ باقی نہ سایا ہما کا ۔۔۔ تو پورا ہوا عہد جو تھا خدا کا
کہ ہم نے بگاڑا نہیں کوئی اب تک ۔۔۔ وہ بگڑا نہیں آپ دنیا میں جب تک (۴۷)

نہ ثروت رہی اُن کی قائم، نہ عزت ۔۔۔ گئے چھوڑ ساتھ اُن کا اقبال و دولت
ہوئے علم وفن اُن سے ایک ایک رخصت ۔۔۔ مٹیں خوبیاں ساری نوبت بہ نوبت
رہا دین باقی نہ اسلام باقی ۔۔۔ اک اسلام کا رہ گیا نام باقی (۴۸)

وہ ملت کہ گردوں پہ جس کا قدم تھا ۔۔۔ ہر اک کھونٹ میں جس کا برپا علم تھا
وہ فرقہ جو آفاق میں محترم تھا ۔۔۔ وہ امت لقب جس کا خیرالامم تھا
نشاں اس کا باقی ہے صرف اس قدر یاں ۔۔۔ کہ گنتے ہیں اپنے کو ہم بھی مسلماں (۴۹)

قومی زوال کا نقشہ کھینچتے کھینچتے مسدس حالی کا اختتام نہایت یاس انگیز اور دل شکن اشعار پر ہوا اور ساری امیدیں منقطع نظر آنے لگیں۔ تاہم یہ نظم مسلمان عوام میں از حد مقبول ہوئی۔ چند برس میں اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو کر ہاتھوں ہاتھ نکل گئے۔ جو اسے سنتا تھا، وہ بے اختیار رو دیتا تھا۔ عظمتِ رفتہ کے بعد حالی کو پستی کا احساس پیدا ہونا، یہ اس نظم کا خوشگوار پہلو تھا۔ عام مسلمانوں پر ''مسدس'' کے اس ردعمل سے شاعر بھی متاثر ہوا اور اسے احساس ہوا کہ:

> ''اس نے زمین شور میں تخم ریزی نہیں کی اور پتھر میں جونک لگانی نہیں چاہی بلکہ اس نے ایک ایسی جماعت کو مخاطب گردانا ہے جو بے راہ ہے پر گم راہ نہیں ہے۔ وہ رستے سے بھٹکے ہوئے ہیں مگر رستے کی تلاش میں چپ وراست نگراں ہیں ان کے ہنر مفقود ہو گئے ہیں مگر قابلیت موجود ہے۔ ان کی صورت بدل گئی ہے مگر ہیولیٰ باقی ہے۔ ان کے قویٰ مضمحل ہو گئے ہیں، مگر زائل نہیں ہوئے۔ ان کے جوہر مٹ گئے ہیں مگر جلا سے پھر نمودار ہو سکتے ہیں۔ ان کے عیبوں میں خوبیاں بھی ہیں مگر چُھپی ہوئی، ان کے خاکستر میں چنگاریاں بھی ہیں مگر دبی ہوئی۔'' (۵۰)

اس احساس کے تحت ۱۸۸۶ء میں حالی نے مسدس کا ضمیمہ لکھا جو ۱۶۲ بندوں پر مشتمل ہے۔ ضمیمۂ مسدس میں حالی نے امید کا سہارا لے کر، جو اس دور کا ایک اہم استعارہ بھی ہے اور دل شکستہ قوم کا ایک بڑا سہارا بھی، قوم کو پند ونصیحت کر کے نئی صورتِ حال سے مفاہمت اور جدید تقاضوں کے مطابق دور جدید کی تعلیمی، معاشی اور معاشرتی حکمتِ عملی کو قبول کر کے زندگی کے میدان میں آنے اور آگے بڑھنے کا مشورہ دیا اور اس امر میں وہ ''تہذیب الاخلاق'' کے مضمون نگاروں سے زیادہ کامیاب رہے۔ لوہے کو پگھلا کر جس شکل میں ڈھالنا چاہیں، ڈھالا جا سکتا ہے۔ حالی نے مسدس مدو جزر اسلام لکھ کر قوم کو اتنا رُلایا تھا کہ دل پگھل کر موم کی طرح ہو چکے تھے اور اب چند برس بعد ضمیمۂ مسدس لکھ کر انھوں نے ان گداز دلوں کو بڑی کامیابی کے ساتھ ایک سانچے میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈھالنے کا عمل شروع کیا اور اس عملِ تسخیر میں انھیں حیرت انگیز کامرانی نصیب ہوئی۔(۵۱)

''مسدس'' قوم کے تنزل کا آئینہ ہے جس میں پہلے اسلام کے ظہور سے قبل کا ایک خاکہ ہے پھر اسلام کے طلوع ہونے اور مسلمانوں کے سیاسی اور علمی عروج کی داستان ہے پھر ان کی انتہائی پستی اور تنزل کا نہایت دردناک بیان کر کے انھیں جدید اور نئے امکانات سے فائدہ حاصل کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

حقیقتہً ''مسدس'' کو اس دور میں جو مقبولیت حاصل ہوئی اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ ہر مسلمان گھرانے میں، ہر مذہبی اور سوشل اجتماع کے موقع پر ''مسدس'' کے چند بند ضرور پڑھے جاتے تھے بہت سے شاعر قومی اور اصلاحی شاعری کی طرف ''مسدس'' ہی کے زیرِ اثر متوجہ ہوئے اور اسی طرز میں کچھ نہ کچھ لکھنے کی کوشش کرنے لگے۔(۵۲)

''مسدس'' میں مولانا الطاف حسین حالی نے اپنے پورے تاریخی شعور اور اسلوب و انداز کو سمویا ہے۔ اس نظم میں حالی نے شاعری کو ایک نیا موضوع دیا اور پھر شاعری کو عوام تک پہنچانے کا ذریعہ بھی بنایا۔ مسدس میں انہوں نے ایک ڈرامائی انداز و اسلوب اختیار کیا اور ایک خاص موضوعاتی روانی کو اس میں برقرار رکھا۔ اسی ''مسدس'' میں انہوں نے اسلامی تاریخ کے عہدِ رفتہ کو نہ صرف زندہ کیا بلکہ ہندوستان کے مسلمانوں کی قومی زندگی کا مرقع بھی حیرت انگیز صفائی سے پیش کیا۔ ''مسدس'' کا انداز اس طور ہے کہ گہری مایوسی کی گہرائی میں سے بھی پھر سے کچھ کرنے اور تعمیر کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔(۵۳)

پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان مرحوم کے الفاظ میں ''مسدس حالی'' کا ترکیب بند ''شکوۂ ہند'' بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اس میں تیرہ بند ہیں اور ہر بند میں گیارہ گیارہ شعر ہیں۔(۵۴)

''موجِ کوثر'' کے مؤلف شیخ محمد اکرام برِصغیر میں اسلامی فکر کے احیاء اور مسلم نشأۃ ثانیہ کے حوالے سے ''مسدس حالی'' کے کردار اور اس کی تاریخی عظمت و اہمیت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''مسدس'' نے قوم کی بیداری کا پیغام اس حلقے تک پہنچایا، جہاں علی گڑھ کالج یا کانفرنس کی رسائی نہ تھی۔ ان دونوں کا حلقہ تعلیم یافتہ طبقے تک محدود تھا، لیکن ''مسدس'' کی سادہ زبان اور سیدھے سادھے خیالات جتنے خواص کو مرغوب تھے، اتنے ہی عوام کو عزیز تھے۔ بہت سے لوگ علی گڑھ کالج کے مخالف تھے، لیکن ''مسدس'' کی مخالفت کون کرتا۔ یہ کسی نئے مذہب کا پرچار نہ تھا۔ اس میں شہد کے ساتھ سرکہ نہ ملایا گیا تھا۔ حالی کے آنسو خالص آبِ حیات کے چھینٹے تھے۔ دل سے نکلے ہوئے درد سے بھرے ہوئے کون ایسا سنگدل تھا، جو ان کی قدر نہ کرتا اور انہیں زمین پر پامال ہونے دیتا۔''(۵۵)

شیخ محمد اکرام مزید لکھتے ہیں:

> ''مسدس'' کی قدر و قیمت کا اندازہ کرنے کے لیے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے۔ ظاہر ہے کہ جس نظم نے سات کروڑ آدمیوں کی قسمت بدل دی ہو، اس کی اہمیت کس قدر ہو گی اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ''مسدس'' دنیا کی پانچ سات اہم ترین طویل نظموں میں سے ہے۔ حالی اگر قوم کا یہ مرثیہ لکھ دیتے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے علاوہ کچھ نہ کرتے، تب بھی قوم کے محسنوں میں ان کا شمار ہوتا، لیکن ''مسدس'' لکھنے کے علاوہ حالی نے بہت کچھ کیا۔ اردو شاعری کی تو انہوں نے تاریخ ہی بدل ڈالی۔ آج تک اردو اور فارسی شاعری میں شعر کی خوبی الفاظ کے انتخاب، تشبیہوں کی جدت اور مضمون کی شگفتگی پر منحصر تھی۔ حالی نے شعر کی بنیاد خالص جذبات پر رکھی۔ فنی خوبیوں اور لفظی تراش خراش پر نہیں۔ ان کی نظموں کو اگر حیاتِ جاوید حاصل ہے تو خلوص اور درد کی بنا پر ہے نہ کہ فنی خوبیوں کی وجہ سے سیدھے سادھے الفاظ میں جان ڈال دی ہے اور انہیں الہامی درجہ دے دیا ہے۔'' (۵٦)

حالی کا علم علی گڑھ کالج کی تاسیس کی طرح اینٹ اور پتھر پر نہیں لکھا ہوا اور سطحی نظریں اس کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتیں، لیکن جو لوگ فقط ظاہری کاموں سے متاثر نہیں ہوتے اور شاعری کی ''نیم پیغمبرانہ'' خوبیوں پر نظر رکھتے ہیں، وہ حالی کی اہمیت سے خوب واقف ہیں اور جانتے ہیں کہ مسلمانانِ ہند کی عام بیداری میں حالی، سرسید اور محسن الملک کا برابر کا شریک تھا۔ (۵۷)

''مسدس حالی'' اس لحاظ سے ایک عہد آفریں کارنامہ ہے کہ اس نے انیسویں صدی میں برصغیر کی ملتِ اسلامیہ اور اس خطے کے مسلمانوں کے خوابیدہ احساس کو بیدار کر کے ان کے تن خفتہ میں زندگی کی نئی روح پھونکی۔ اگرچہ مسدس حالی کا لہجہ سوگوارانہ ہے لیکن یہ لہجہ مقتضائے زمانہ کے مطابق تھا۔ ملی احیاء کے لیے قوم میں احساسِ زیاں کا پیدا کرنا ضروری تھا اور مولانا حالی کی اس مرثیہ خوانی نے اس امر میں خاطر خواہ کام کیا۔ مسلمان اپنے زوال وانحطاط اور نکبت پر ہاتھ ملنے لگے۔ یہ ایک تاریخی صداقت ہے کہ ''مسدس حالی'' نے برصغیر میں اسلامی فکر کے احیاء، اسلامی بیداری اور مسلم نشاۃِ ثانیہ میں وہ کام کیا جو کسی اور ذریعے سے ممکن نہ تھا۔ مسدس کے بعد حالی کے نغمے احیائے ملی کے لیے وقف ہو گئے تھے اور مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ جلسوں کے موقع پر ان کا نظم پڑھنا ایک معمول بن گیا تھا۔ فکرِ ملی کی آبیاری کے سلسلے میں ''مسدس مدوجزر اسلام'' کے بعد ''شکوۂ ہند'' (۱۸۸۸ء) حالی کی ایک ایسی نظم ہے جسے تاریخی اور سیاسی لحاظ سے بڑی اہمیت حاصل ہے۔ فنی اعتبار سے یہ نظم ترکیب بند ہے۔ جس کے کل ۱۳ بند اور ہر بند میں دس گیارہ اشعار ہیں۔ اس نظم میں شاعر نے کسی جماعت یا قوم سے خطاب نہیں کیا بلکہ اس کا روئے سخن سرزمین ہند سے ہے۔ شاعر نے خود غریب الدیار قوم کا نمائندہ بن کر سرزمینِ ہند سے جو شکوہ کیا ہے، اس میں ملّی روایات واقدار کا اجمالی خاکہ بیان کر کے اپنی قومی خصوصیات متعین کی ہیں۔ شاعر کے نزدیک انہی قومی خصوصیات سے محرومی کے نتیجے میں قوم کو زوال کا ایسا زمانہ دیکھنا پڑا کہ جس ملک پر یہ قوم صدیوں تک حکمران رہی، اب اسی میں ذلیل وخوار ہو کر رہ گئی ہے۔ یعنی مسدس مدوجزر اسلام اور شکوۂ ہند دونوں نظمیں بنیادی طور پر مسلم قومیت کے اساسی تصورات کی آئینہ دار ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ اس تصورِ ملی کو دونوں نظموں میں بہ انداز دگر پیش کیا گیا ہے۔ ''شکوہ ہند'' میں حالی نے ملتِ اسلامیہ کے اسالیبِ حیات کو نسبتاً بہتر تجزیاتی انداز میں پیش کرتے ہوئے اقوامِ عالم میں اس کی منفرد وممتاز خصوصیات بیان کی ہیں۔ (۵۸)

ملّی خصوصیات سے محرومی کے بعد اسلامیانِ ہند کا قافلہ جس خوفناک صورت حال سے دوچار ہوا، حالی نے اس کی نشاندہی ''مسدس'' میں کر دی تھی۔ شکوۂ ہند کے مختلف بندوں میں انہوں نے مسلمانوں کے ملّی خصائص بیان کر کے یہ واضح کیا کہ وہ قومی لحاظ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے برعظیم کی دوسری اقوام سے الگ اپنا مستقل وجود رکھتے ہیں۔ یہ قومی ہستی جغرافیائی بنیادوں سے زیادہ عقائد پر مبنی ہے اور اس لحاظ سے برعظیم سے باہر اسلامی ممالک سے بھی اس قومیت کا رشتہ استوار ہے۔ اندریں حالات وہ کسی ایسی وطنی متحدہ قومیت میں جذب نہیں ہوسکتے جس میں ان کے یہ ملی خصائص مٹ جائیں اور ان کی قومی وملی ہستی نیست و نابود ہوجائے۔شکوۂ ہند میں حالی نے بالواسطہ اسلامیان ہند کو اپنے قومی وجود (خودی) کا احساس دلایا ہے۔ حالی کی ان عہد آفرین نظموں نے احیائے ملی کی تحریک کو موثر اور فعال بنانے میں جو حصہ لیا، اُس کی تاریخی اہمیت مسلم ہے۔ حالی کی نواہائے جگرسوز نے نہ صرف اپنے عصر کو متاثر کیا بلکہ بیسویں صدی میں قافلۂ ملی جو کٹھن آزمائشوں سے دوچار ہوتا ہوا برعظیم میں اپنی بقا و ترقی کے لیے ایک آزاد خطۂ سرزمین کے حصول میں کامیاب ہوا، حالی کے درد انگیز نغمے، اکبر کی طنز (ظرافت)، اقبال کا فکر اور ظفر علی خاں کے جوش انگیز اشعار اس دوران ملت اسلامیہ کو اس کے نصب العین کا احساس دلاتے رہے۔ اور یہ ایک تاریخی صداقت ہے کہ مملکت خداداد اسلامی جمہوریہ پاکستان کے قیام میں خواجہ الطاف حسین حالی اور ان شعرائے ملت کے افکار و اشعار کا اہم حصہ ہے۔(۵۹)

حواشی وحوالہ جات

۱۔ سکسینہ رام بابو، تاریخ ادب اردو، مترجم مرزا محمد عسکری (لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، س۔ن) ص ۲۹۸

۲۔ صفدر حسین، پروفیسر، ڈاکٹر، حالی اور ان کا زمانہ، فروغِ اردو لکھنو، ماہنامہ، فروری ۱۹۵۹ء، حالی نمبر حصہ اول، ص ۲۳

۳۔ غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، ملی نشاۃِ ثانیہ کا نقیب، حالی۔ بحوالہ: صحیفہ (حالی نمبر) لاہور، مجلسِ ترقی ادب، شمارہ نمبر ۵۸، جنوری ۱۹۷۲ء، ص ۹۶

۴۔ سکسینہ، رام بابو، محولہ بالا، ص ۳۰۲ ۵۔ فرزانہ سید، نقوش ادب (لاہور، سنگ میل پبلی کیشن، ۲۰۱۳ء) ص ۱۲۳

۶۔ ایضاً، ص ۱۲۴ ۷۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر تاریخ (لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء) ص ۳۲۸

۸۔ ہاشمی، فرید آبادی، تاریخ مسلمانانِ پاکستان و بھارت (کراچی، انجمن ترقی اردو، ۲۰۰۳ء) جلد دوم، ص ۵۰۶ ۹۔ ایضاً، ۲/ ۵۰۸

۱۰۔ ہاشمی، فرید آبادی، محولہ بالا، ۲/ ۵۰۸ ۱۱۔ اکرام، شیخ محمد، موج کوثر (لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۲۰۰۷ء) ص ۱۲۵

۱۲۔ فرزانہ سید، محولہ بالا، ص ۱۲۵ ۱۳۔ سکسینہ، رام بابو، محولہ بالا، ص ۳۰۳ ۱۴۔ ایضاً، ص ۳۰۲ ۱۵۔ ایضاً، ص ۳۰

۱۶۔ مسدس حالی (کراچی، فضلی سنز، ۱۹۹۹ء) ص ۲۶ ۱۷۔ عبدالحق دہلوی، مولوی، تقریب مسدس حالی (کراچی، مطبوعہ فضلی سنز، ۱۹۹۸ء) ص ۲۶

۱۸۔ ایضاً، ص ۲۱، ۲۰ ۱۹۔ غلام مصطفیٰ خان، ڈاکٹر، حالی کا ذہنی ارتقاء (کراچی، شہزاد، ۲۰۰۳ء) ص ۵۱ ۲۰۔ ایضاً، ص ۵۰

۲۱۔ حالی، مسدسِ حالی، دیباچہ، اول، ص ۴۲ ۲۲۔ ہاشمی، فرید آبادی، محولہ بالا، ص ۵۰۶

۲۳۔ سلیم اختر، مسدس حالی۔ عوامل، مقاصد، نتائج۔ صحیفہ (حالی نمبر) شمارہ ۵۸، جنوری ۱۹۷۲ء، لاہور، مجلس ترقی ادب، ص ۵۱، ۵۰

۲۴۔ ایضاً، ص ۵۱ ۲۵۔ ایضاً، ص ۵۲ ۲۶۔ غلام مصطفیٰ خان، ڈاکٹر، محولہ بالا، ص ۵۲

۲۷۔ حالی، الطاف حسین، مسدس حالی (کراچی، فضلی سنز، ۱۹۹۸ء) ص ۹۲ ۲۸۔ ایضاً، ص ۱۵۳ ۲۹۔ ایضاً، ص ۱۸۳

۳۰۔ حالی، الطاف حسین، مسدس حالی (پہلا دیباچہ) ص ۴۲ ۳۱۔ ایضاً، ص ۴۲

۳۲۔ سلیمان ندوی، مولانا، سید (دیباچہ) مسدس حالی، کراچی، فضلی سنز، ۱۹۹۹ء، ص ۱۲ ۳۳۔ ایضاً ص ۱۲ ۳۴۔ ایضاً ص ۱۳

۳۵۔ فرزانہ سید، محولہ بالا، ص ۱۲۵ ۳۶۔ حالی، الطاف حسین، مسدس حالی، ص ۱۶۷۔ نیز دیکھیے: فرزانہ سید، ص ۱۲۶

۳۷۔ فرزانہ سید، ص ۱۲۶ ۳۸۔ ایضاً، ص ۱۲۷ ۳۹۔ ایضاً، ص ۱۲۷ ۴۰۔ سلیمان ندوی، مولانا، سید، دیباچہ مسدس حالی، ص ۱۳، ۱۴

۴۱۔ ایضاً، ص ۱۵ ۴۲۔ حوالہ سابقہ، ص ۱۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۳۔ غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، ملی نشاۃِ ثانیہ کے نقیب، حالی، بحوالہ: صحیفہ (حالی نمبر) شمارہ جنوری ۱۹۷۲ء، لاہور، مجلس ترقی ادب، ص ۶۰

۴۴۔ حالی، الطاف حسین، مسدس حالی، ص ۵۰ ۴۵۔ غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر محولہ بالا، ص ۶۰

۴۶۔ حالی، الطاف حسین، مسدس حالی، ص ۷۹ ۴۷۔ ایضاً، ص ۸۶ ۴۸۔ ایضاً، ص ۸۷ ۴۹۔ ایضاً، ص ۹۰

۵۰۔ حالی، الطاف حسین، مسدس حالی (دوسرا دیباچہ) ص ۴۷، نیز دیکھیے: غلام حسین ذوالفقار، محولہ بالا، ص ۶۲

۵۱۔ ایضاً، ص ۶۲ ۵۲۔ محمد حسن، ڈاکٹر، حالی کی شاعری۔ ایک جائزہ۔ ماہنامہ فروغِ اردو، لکھنو (حالی نمبر) حصہ اول فروری ۱۹۵۹ء، ص ۹۹

۵۳۔ فرزانہ سید، محولہ بالا، ص ۱۲۹ ۵۴۔ غلام مصطفیٰ خان، ڈاکٹر، محولہ بالا، ص ۸۴ ۵۵۔ اکرام، شیخ، محمد، محولہ بالا، ص ۱۲۶

۵۶۔ ایضاً، ص ۱۲۶ ۵۷۔ ایضاً، ص ۱۲۸ ۵۸۔ غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، محولہ بالا، ص ۹۳ ۵۹۔ ایضاً، ص ۹۴

© rasailojaraid.com